ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

USMAN NOTES
www.usmannotes.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 464

Program: Associate Degree (Islamic Studies)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس: اسلامی فقہ (464) • سطح: ایسوسی ایٹ ڈگری (علوم اسلامیہ)

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 2 (یونٹ: 5تا9)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

(مطالعہ و حوالہ کے لیے)

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس کو غور سے پڑھیں، مفاہیم کو سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں تحریر کریں۔ بعینہ نقل کرنے سے گریز کریں، کیونکہ اصل مقصد فقہی مسائل کی سمجھ پیدا کرنا ہے۔

سوال نمبر 1: ایلاء کی تعریف، شرائط، مدت اور شرعی نتائج (20 نمبر)

سوال نمبر 1: ایلاء کی تعریف، شرائط، مدت اور اس کے شرعی نتائج بیان کریں۔

تعارف

اسلام نے ازدواجی تعلق کو محبت و رحمت پر قائم کیا ہے اور ایسے ہر رویے کی حوصلہ شکنی کی ہے جس سے بیوی کو غیر یقینی اور معلق حالت میں رکھا جائے۔ جاہلیت کے عرب میں ایک رسم یہ تھی کہ مرد اپنی بیوی سے ناراضی کی بنا پر قسم کھا لیتا تھا کہ وہ اس کے قریب نہیں جائے گا، اور یوں عورت نہ بیوی کی حیثیت سے زندگی گزار سکتی تھی اور نہ آزاد ہو کر دوسرا نکاح کر سکتی تھی۔ قرآن مجید نے سورۃ البقرہ میں اس ظالمانہ رسم کو مدت کی قید لگا کر ختم کیا اور اسے ایلاء کے نام سے ایک منضبط شرعی مسئلہ بنا دیا۔

ایلاء فقہِ نکاح کے ان ابواب میں سے ہے جو طلاق سے ملحق ہیں، کیونکہ اس کا انجام بالآخر یا تو ازدواجی زندگی کی بحالی ہے یا جدائی۔ ذیل میں ایلاء کی لغوی و شرعی تعریف، اس کی شرائط، مدت، اس حکم کی دنیوی و سماجی وجوہات اور اس کے شرعی نتائج کو ترتیب وار بیان کیا جاتا ہے۔

ایلاء کی تعریف اور قرآنی بنیاد

ایلاء کے لغوی معنی قسم اٹھانے کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں ایلاء سے مراد شوہر کا اللہ کی قسم کھا کر یہ عہد کرنا ہے کہ وہ اپنی بیوی سے چار ماہ یا اس سے زیادہ عرصے تک قربت اختیار نہیں کرے گا، یا بغیر مدت بیان کیے مطلقاً قربت نہ کرنے کی قسم کھا لے۔ اگر شوہر چار ماہ سے کم مدت کی قسم کھائے تو وہ عام قسم ہو گی، ایلاء کے احکام اس پر مرتب نہیں ہوں گے۔ قرآن مجید نے فرمایا کہ جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلاء کرتے ہیں ان کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے، پھر اگر وہ رجوع کر لیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے، اور اگر وہ طلاق کا پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ اس آیت نے ایلاء کا پورا فریم ورک دے دیا: چار ماہ کی حد، رجوع کا دروازہ اور پھر فیصلہ کن جدائی۔

ایلاء کے لیے شرط ہے کہ قسم بیوی کے بارے میں ہو اور اس کا تعلق ازدواجی قربت سے ہو؛ اگر شوہر مال یا کسی اور معاملے میں قسم کھائے تو وہ ایلاء نہیں۔ اسی طرح قسم اللہ کے نام یا اس کی صفات سے ہو؛ ایلاء کرنے والا عاقل بالغ مسلمان شوہر ہو اور نکاح قائم ہو۔ زمانۂ جاہلیت میں ایلاء سالوں تک جاری رہتا تھا، مگر شریعت نے عمر قید جیسی اس معلق حالت کو چار ماہ تک محدود کر کے عورت کو اس کے حقوق دلائے۔ یہ اس بات کی زندہ مثال ہے کہ شریعت نے موجودہ رسم کو یکسر ختم کرنے کے بجائے اسے عدل کے مطابق ڈھال کر انسانی مسئلے کا حل پیش کیا۔

ایلاء کی شرائط

فقہانے ایلاء کے درست ہونے کے لیے چند شرائط بیان کی ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ مؤلی یعنی قسم کھانے والا بیوی کا شوہر ہو اور نکاح قائم ہو؛ اجنبی کی قسم کا کوئی اعتبار نہیں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ قسم میں قربت نہ کرنے کی مدت چار ماہ یا اس سے زیادہ ہو یا مدت بالکل بیان نہ کی گئی ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ قسم اللہ تعالیٰ کے نام سے ہو یا اس کی صفات میں سے کسی صفت سے، کیونکہ عام بات چیت یا لغو عہد پر یہ احکام مرتب نہیں ہوتے۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ ایلاء کرنے والا عاقل و بالغ اور مختار ہو؛ بچے، مجنون یا اس شخص کا ایلاء معتبر نہیں جس سے جبراً قسم اٹھوائی گئی ہو۔

فقہائے احناف کے ہاں ایلاء کی ایک مزید تفصیل یہ ہے کہ اگر شوہر نے قربت نہ کرنے کی قسم کے ساتھ کوئی اور پابندی بھی لگائی ہو، مثلاً بیوی سے بول چال یا کھانا ترک کرنے کی نیت ہو، تو مدار اس بات پر ہے کہ عرفاً یہ ترک قربت کے مترادف ہو یا نہ ہو۔ یہ باریکیاں ظاہر کرتی ہیں کہ ایلاء محض غصے کی بات نہیں بلکہ سنا سوچا سمجھا گیا ایک قانونی فعل ہے، اسی لیے شوہر کو چاہیے کہ وہ غصے میں قسم اٹھانے سے قطعی پرہیز کرے۔

مدت اور اس کی تفصیل

ایلاء کی مدت چار قمری مہینے ہے۔ یہ مدت اس دن سے شمار ہوتی ہے جس دن شوہر نے قسم اٹھائی ہو۔ اگر شوہر نے اس مدت کے اندر رجوع کر لیا، یعنی بیوی سے ازدواجی تعلق بحال کر لیا، تو اسے فیٔ کہا جاتا ہے، اور قسم توڑنے کی بنا پر اس پر کفارۂ یمین واجب ہوتا ہے، یعنی دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا انہیں لباس دینا یا ایک غلام آزاد کرنا، اور استطاعت نہ ہو تو تین دن کے روزے۔ اس طرح رشتہ بحال رہتا ہے اور زندگی معمول پر آ جاتی ہے۔ اگر چار ماہ گزر جائیں اور شوہر رجوع نہ کرے تو اس کے بعد کے حکم میں فقہی اختلاف ہے جسے آئندہ حصے میں بیان کیا گیا ہے۔

چار ماہ کی مدت مقرر کرنے کی حکمت یہ ہے کہ یہ عرصہ ناراضی کے جذبات ٹھنڈے ہونے، غور و فکر کرنے اور خاندان کے بڑوں کو مصالحت کا موقع دینے کے لیے کافی ہے، جبکہ اس سے لمبی مدت عورت کے لیے نقصان دہ معلق حالت پیدا کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ مدت یہ بھی واضح کرتی ہے کہ شوہر کو فیصلے کے لیے □□ مہلت نہیں دی جا سکتی؛ یا تو وہ اس عرصے میں گھر بسائے یا راستہ چھوڑ دے تاکہ عورت اپنے مستقبل کا فیصلہ کر سکے۔ یہ حد بندی ازدواجی زندگی میں غیر یقینی ختم کرنے کا شریعت کا اصول ہے۔

ایلاء کے شرعی نتائج: فقہی آراء

چار ماہ گزرنے کے بعد کے نتائج میں ائمہ کی آراء مختلف ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک چار ماہ مکمل ہوتے ہی بیوی پر ایک طلاقِ بائن خود بخود واقع ہو جاتی ہے، خواہ شوہر نے طلاق کا لفظ کہا ہو یا نہ کہا ہو؛ اس کے بعد اگر دونوں دوبارہ اکٹھے ہونا چاہیں تو نیا نکاح اور نیا مہر ضروری ہو گا۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک چار ماہ گزرنے پر معاملہ قاضی کے سامنے پیش ہوتا ہے؛ شوہر کو روک کر اس سے کہا جاتا ہے کہ یا تو رجوع کرے یا طلاق دے، اور اگر وہ دونوں سے انکار کرے تو قاضی خود طلاق واقع کر دیتا ہے۔ دونوں آراء کا حاصل ایک ہی ہے کہ عورت غیر معینہ مدت تک معلق نہیں رہتی، فرق صرف طریقہ کار کا ہے۔

رجوع کی صورت میں ہونے والا کفارہ بھی ایلاء کے نتائج میں شامل ہے۔ یہ کفارہ قسم کی حرمت کا ازالہ ہے اور شوہر کو یہ احساس دلاتا ہے کہ اللہ کے نام کی قسم کھیل نہیں۔ مزید یہ کہ مدت کے اندر اگر شوہر رجوع کی طاقت نہ رکھتا ہو، مثلاً دور سفر پر ہو یا بیمار ہو، تو زبان سے رجوع کا اظہار بھی بعض فقہا کے نزدیک فیء کے قائم مقام ہو سکتا ہے۔ ان تمام تفصیلات سے ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت نے بیوی کے تحفظ کے ساتھ شوہر کے لیے بھی باعزت واپسی کا راستہ کھلا رکھا ہے۔

ایلاء اور ظہار و طلاق سے فرق

ایلاء کو اس سے ملتے جلتے دو مسائل سے الگ سمجھنا ضروری ہے۔ ظہار یہ ہے کہ شوہر بیوی کو اپنی ماں یا کسی محرم سے تشبیہ دے؛ ظہار میں قسم نہیں ہوتی بلکہ ایک حرام تشبیہ ہوتی ہے اور اس کا کفارہ بھی الگ اور سخت ہے، جبکہ ایلاء میں قسم اور مدت عنصر ہوتا ہے اور کفارہ قسم والا ہے۔ طلاق سے فرق یہ ہے کہ طلاق جدائی کا فوری فیصلہ ہوتا ہے، جبکہ

ایلاء میں جدائی مؤجل ہوتی ہے اور اس دوران صلح کی گنجائش باقی رہتی ہے۔ اس تقابل سے یہ سمجھ آتا ہے کہ ایلاء ازدواجی بحران کی ایک درمیانی منزل ہے جسے شریعت نے فیصلے تک پہنچنے کے لیے ایک محدود وقت دے دیا ہے۔

عملی زندگی میں ایلاء کے واقعات عام طور پر غصے، انا اور ضد کی قسموں سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس لیے اہلِ علم کی نصیحت ہے کہ شوہر قسم کے الفاظ منہ سے نکالنے میں انتہائی احتیاط کرے، اور اگر ایسا ہو جائے تو فوراً مفتی سے رجوع کرے تاکہ مدت گزرنے سے پہلے درست شرعی راستہ اختیار کیا جا سکے۔ پاکستانی عدالتوں میں ایسے مقدمات میاں بیوی کے تنازعات میں ثالثی اور صلح کی کوششوں کے ذریعے حل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، جو شریعت کے اسی مزاج کے مطابق ہے جو پہلے صلح کو ترجیح دیتا ہے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ ایلاء شوہر کی وہ قسم ہے جس میں وہ بیوی سے چار ماہ یا زائد عرصے تک قربت نہ کرنے کا عہد کرتا ہے، اس کی مدت چار ماہ مقرر ہے؛ اس دوران رجوع کرنے سے کفارۂ یمین کے ساتھ رشتہ بحال ہو جاتا ہے، اور مدت گزر جانے پر احناف کے نزدیک طلاقِ بائن واقع ہو جاتی ہے جبکہ جمہور کے نزدیک قاضی رجوع یا طلاق کا حکم دیتا ہے۔ یوں ایلاء کا نظام بیوی کو معلق حالت سے نکال کر یا بحالی یا باعزت جدائی تک پہنچاتا ہے، اور یہی اس کی بنیادی حکمت ہے۔

سوال نمبر 2: لعان کی تعریف، طریقہ کار، شرائط اور قانونی اثرات (20 نمبر)

سوال نمبر 2: لعان کی تعریف، طریقہ کار، شرائط اور اس کے قانونی اثرات بیان کریں۔

تعارف

ازدواجی زندگی اعتماد پر قائم ہوتی ہے، لیکن کبھی ایسی صورت پیش آ جاتی ہے کہ شوہر اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے یا اس کے بچے کو اپنا بچہ ماننے سے انکار کر دے، جبکہ اس کے پاس عام عدالتی معیار کے چار گواہ بھی نہ ہوں۔ ایسی نازک صورت میں شریعت کے سامنے دو راستے تھے: یا الزام لگانے والے کو قذف یعنی جھوٹی تہمت کی حد لگائی جاتی، یا شوہر

کو ہمیشہ کے لیے اس الزام کے بوجھ تلے چھوڑ دیا جاتا۔ سورۃ النور نے اس مشکل کا حل لعان کی صورت میں دیا، جس میں دونوں فریق قاضی کے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اور معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔

لعان ایک ایسا مخصوص شرعی طریقہ کار ہے جو محکمہ میاں بیوی کے درمیان زنا کے الزام یا نفیِ ولد کے لیے مقرر ہے۔ ذیل میں اس کی تعریف، قرآنی بنیاد، شرائط، مکمل طریقہ کار اور اس پر مرتب ہونے والے قانونی اثرات کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

لعان کی تعریف اور قرآنی بنیاد

لعان کے لغوی معنی ایک دوسرے پر لعنت بھیجنے کے ہیں، مگر شرعی اصطلاح میں لعان ان مخصوص قسموں کو کہا جاتا ہے جو میاں بیوی قاضی یا حاکم کے سامنے اس وقت کھاتے ہیں جب شوہر بیوی پر زنا کا الزام لگائے یا بچے کا نسب اپنے سے منقطع کرے اور اس کے پاس گواہ موجود نہ ہوں۔ سورۃ النور کی آیات نمبر 6 تا 9 نے اس کا مکمل نظام بیان کیا ہے: ایسے شوہر کی شہادت یہ ہو گی کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ وہ سچا ہے، اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹا ہو؛ اور عورت اس طرح سزا کو ٹال سکتی ہے کہ چار مرتبہ قسم کھا کر کہے کہ شوہر جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اس پر اللہ کا غضب ہو اگر شوہر سچا ہو۔

اس طریقے کا واقعاتی پس منظر بھی سنت میں موجود ہے، جہاں ایک صحابی نے یہی مسئلہ پیش کیا اور اسی کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں اور ان کے درمیان لعان کرایا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لعان محض کتابی مسئلہ نہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی عدالت میں نافذ شدہ طریقہ کار ہے۔ لعان کا مقصد دوہرا ہے: ایک طرف سچے شوہر کو قذف کی حد سے بچانا اور بچے کے نسب کا فیصلہ کرنا، اور دوسری طرف عورت کو بھی صفائی کا پورا موقع دینا، تاکہ کسی ایک کی بات پر دوسرے کو سزا نہ مل جائے۔

لعان کی شرائط

لعان کے درست ہونے کے لیے چند شرائط ضروری ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ فریقین کے درمیان قائم نکاح موجود ہو، کیونکہ لعان خصومتِ زوجیت ہی سے متعلق ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ دونوں فریق عاقل، بالغ اور مسلمان ہوں اور قسمیں کھانے کی اہلیت رکھتے ہوں؛ کافر میاں بیوی اور مسلمان میاں بیوی کے احکام میں فقہا نے تفصیل بیان کی ہے

اور جمہور کے نزدیک لعان مسلمان زوجین کے لیے مقرر ہے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ الزام صریح ہو، یعنی شوہر نے بیوی پر زنا کا واضح الزام لگایا ہو یا بچے کے نسب کی نفی کی ہو، اور عورت اس الزام کا انکار کرتی ہو۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ یہ کارروائی قاضی یا مجاز عدالت کے سامنے ہو، گھر بیٹھے قسمیں کھا لینا لعان نہیں ہوتی۔

مزید شرائط میں یہ بھی شامل ہے کہ شوہر نے اسی مجلس و تذکرے میں اپنی بات دہرائی ہو اور وہ لعان سے پہلے حدِ قذف کا مستحق بننے کی پوزیشن میں ہو، یعنی اس نے چار گواہ پیش نہ کیے ہوں۔ اگر شوہر بعد میں اپنے الزام کو جھوٹا تسلیم کر لے تو اس پر حدِ قذف لاگو ہو جاتی ہے اور لعان کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر عورت لعان کے بجائے الزام تسلیم کر لے تو اس کا معاملہ حد کے عام اصولوں کے تحت آتا ہے۔ یہ شرائط ظاہر کرتی ہیں کہ لعان ایک سنجیدہ عدالتی راستہ ہے جسے جذبات میں استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

لعان کا طریقہ کار

لعان کی کارروائی قاضی کے سامنے کھلے عدالتی ماحول میں ہوتی ہے۔ پہلے شوہر کھڑا ہو کر چار مرتبہ یہ قسم کھاتا ہے کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اپنے الزام میں سچا ہوں، اور پانچویں مرتبہ کہتا ہے کہ مجھ پر اللہ کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں۔ اس کے بعد عورت چار مرتبہ قسم کھاتی ہے کہ شوہر اپنے الزام میں جھوٹا ہے، اور پانچویں مرتبہ کہتی ہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب ہو اگر شوہر سچا ہو۔ بعض فقہا کے نزدیک بچے کی نفی کی صورت میں قسموں میں اس بات کا اضافہ بھی کیا جاتا ہے کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے۔ قاضی کارروائی سے پہلے دونوں کو اس عمل کی سنگینی اور آخرت کے انجام سے آگاہ کرتا ہے تاکہ کوئی جھوٹی قسم کا بوجھ نہ اٹھائے۔

طریقہ کار کی یہ تکرار یعنی چار چار قسمیں دراصل ان چار گواہوں کے قائم مقام ہیں جن کا شریعت زنا کے اثبات میں تقاضا کرتی ہے۔ پانچویں قسم میں لعنت و غضب کی دعا اس بات کی علامت ہے کہ فریق اپنے دعوے کو اللہ کی عدالت میں پیش کر رہا ہے۔ کارروائی مکمل ہوتے ہی قاضی دونوں کے درمیان تفریق کا حکم صادر کرتا ہے، کیونکہ جن رشتہ داروں نے ایک دوسرے پر اس درجے کا الزام لگا کر قسمیں کھائی ہوں، ان کا اعتماد ختم ہو چکا ہوتا ہے اور شریعت اس ٹوٹے ہوئے رشتے کو جاری رکھنے پر مجبور نہیں کرتی۔

لعان کے قانونی اثرات

لعان کے سب سے پہلے دو اثرات حدود سے متعلق ہیں: شوہر پر سے حدِ قذف ساقط ہو جاتی ہے، کیونکہ اس نے شرعی متبادل راستہ اختیار کیا، اور عورت پر بھی حدِ زنا لاگو نہیں ہوتی، کیونکہ اس نے بھی مخالف قسمیں کھا کر الزام کو رد کر دیا۔ یوں دونوں دنیا کی سزا سے بچ جاتے ہیں اور اصل حقیقت اللہ کے علم پر چھوڑ دی جاتی ہے۔ دوسرا بڑا اثر یہ ہے کہ قاضی کے حکم سے دونوں کے درمیان ابدی جدائی ہو جاتی ہے؛ فقہائی اکثریت کے نزدیک لعان کے بعد یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتے ہیں، خواہ شوہر بعد میں خود کو جھٹلائے بھی، کیونکہ یہ حرمت اس شدید تنازع کا مستقل نتیجہ ہے۔

تیسرا اثر نسب سے متعلق ہے: اگر لعان نفیِ ولد پر ہوا ہو تو بچے کا نسب شوہر سے منقطع ہو جاتا ہے اور یہ ماں کی طرف منسوب ہوتا ہے، اس کا نام اور پرورش ماں کے حوالے سے ہوتی ہے، البتہ بچے کا ماں سے نسب اور اس کے حقوق برقرار رہتے ہیں۔ چوتھا اثر مالی ہے: جدائی کی نوعیت کے مطابق بیوی کا مہر اور عدت کے احکام مرتب ہوتے ہیں۔ پانچواں اثر یہ ہے کہ شوہر اگر بعد ازاں خود کو جھوٹا قرار دے دے تو اس پر حدِ قذف عائد ہو سکتی ہے اور اس کی شہادت بھی مسترد ہوتی ہے، لیکن نسب اور ابدی حرمت کا حکم فقہا کی غالب رائے کے مطابق واپس نہیں ہوتا۔ یہ اثرات بتاتے ہیں کہ لعان محض ایک رسم نہیں بلکہ ایک مکمل قانونی فیصلہ ہے۔

لعان کی حکمت اور عصری پہلو

لعان کی حکمت اس توازن میں ہے جو اس نے الزام کی سنگینی اور ثبوت کی مشکل کے درمیان قائم کیا ہے۔ زنا جیسے الزام کا عام ثبوت چار گواہوں سے مشروط رکھا گیا ہے تاکہ عزتیں محفوظ رہیں، مگر جو شوہر خود کسی ناقابلِ تصور صورت سے دوچار ہو اس کے لیے لعان کا راستہ کھول کر اسے بھی انصاف دیا گیا۔ ساتھ ہی عورت کو بھی برابری کی بنیاد پر قسمیں کھانے کا حق دے کر اسے یک طرفہ فیصلے سے بچا لیا گیا۔ اس نظام میں دنیا کی عدالت ظاہری کارروائی مکمل کرتی ہے اور باطنی سچائی اللہ کے سپرد ہوتی ہے، جو اسلامی قانون کی امتیازی خوبی ہے۔

موجودہ دور میں جہاں نسب کے تعین کے لیے طبی و سائنسی ذرائع بھی سامنے آئے ہیں، فقہی مجالس میں ان کے استعمال کی حدود پر بحث جاری ہے، لیکن لعان کا شرعی طریقہ کار اپنی جگہ برقرار ہے کیونکہ یہ محض نسب کا مسئلہ نہیں بلکہ الزام، اعتماد اور حد سے بچاؤ کا مجموعی نظام ہے۔ پاکستانی عدالتوں میں لعان کے مقدمات کم آتے ہیں، البتہ جہاں ایسا دعویٰ پیش ہو وہاں عدالت شرعی اصولوں کی روشنی میں کارروائی کرتی ہے۔ طالب علم کے لیے اس باب کا سبق یہ ہے کہ ازدواجی الزامات میں زبان کی حفاظت اور شرعی راستے کا انتخاب دونوں ضروری ہیں۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ لعان میاں بیوی کے درمیان زنا کے الزام یا نفیِ ولد کی صورت میں قاضی کے سامنے کرائی جانے والی مخصوص قسمیں ہیں، جن میں شوہر چار قسموں کے بعد لعنت کی اور عورت چار قسموں کے بعد غضب کی دعا کرتی ہے۔ اس کی تکمیل پر حدِ قذف اور حدِ زنا دونوں ساقط ہو جاتے ہیں، بچے کا نسب شوہر سے منقطع ہو جاتا ہے اور دونوں کے درمیان ابدی تفریق واقع ہو جاتی ہے۔ یہ نظام الزام و صفائی کے درمیان عدل قائم کر کے معاملہ اللہ کی عدالت پر چھوڑتا ہے، یہی توازن میں اس کی اصل حکمت ہے۔

سوال نمبر 3: ایک مجلس کی تین طلاق کے مسئلے پر فقہی آراء و دلائل (20 نمبر)

سوال نمبر 3: تین طلاق ایک مجلس میں دینے کے مسئلہ پر مختلف فقہی آراء اور ان کے دلائل بیان کریں۔

تعارف

طلاق شریعت میں ناپسندیدہ مگر ضرورت کے وقت جائز رکھا گیا حل ہے، اور اس کے لیے تدریجی طریقہ مقرر کیا گیا ہے: طہر میں ایک طلاق، عدت کے دوران رجوع کی گنجائش اور طویل سوچ بچار کا موقع۔ اس کے برعکس ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں ایک ساتھ دے دینا ایک ایسا عمل ہے جس نے صدیوں سے فقہا کی توجہ حاصل کی ہے اور جس پر آج

بھی علمی و عوامی بحث جاری ہے۔ اس مسئلے کی نزاکت اس لیے زیادہ ہے کہ اس کے نتیجے میں بیوی طلاقِ مغلظہ کی وجہ سے شوہر پر اس وقت تک حلال نہیں رہتی جب تک شرعی حلالے کی شرائط پوری نہ ہوں، یعنی خاندان پوری طرح بکھر جاتا ہے۔

اس سوال میں پہلے مسئلے کی صورت واضح کی جائے گی، پھر جمہور ائمہ کی رائے اور ان کے دلائل، پھر اس سے مختلف رائے رکھنے والے اہلِ علم کے دلائل، اور آخر میں اس اختلاف کا متوازن فہم اور پاکستان کے قانونی پس منظر کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔

مسئلے کی صورت اور طلاق کی اقسام کا پس منظر

طلاق کی دو بڑی قسمیں ہیں: طلاقِ سنی، جو سنت کے مقررہ طریقے سے دی جائے، یعنی ایسے طہر میں جس میں قربت نہ ہوئی ہو صرف ایک طلاق دی جائے؛ اور طلاقِ بدعی، جو اس طریقے کے خلاف ہو، مثلاً حیض کی حالت میں طلاق دینا یا ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں اکٹھی دے دینا۔ زیرِ بحث مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شوہر ایک مجلس میں کہہ دے کہ میں تمھیں تین طلاق دیتا ہوں، یا تین مرتبہ طلاق کا لفظ دہرا دے، تو کیا تینوں طلاقیں واقع ہوں گی اور عورت مغلظہ ہو جائے گی، یا یہ ایک ہی طلاق شمار ہو گی؟ یہ فرق اس لیے اہم ہے کہ ایک طلاق کی صورت میں رجوع اور نیا نکاح دونوں آسان راستے ہیں، جبکہ تین واقع ہونے کی صورت میں یہ دروازے بند ہو جاتے ہیں۔

یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ اس اختلاف کا تعلق طلاق کی وقوع سے ہے نہ کہ اس عمل کی پسندیدگی سے۔ تمام ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ ایک ساتھ تین طلاقیں دینا سنت کے طریقے کے خلاف اور ناپسندیدہ عمل ہے، اور یہ کہ ایسا کرنے والا گناہ و ندامت کا حقدار ہے۔ اختلاف صرف اس قانونی نتیجے میں ہے کہ گنتی ایک ہو گی یا تین۔ اسی لیے اس مسئلے کو جذبات کے بجائے دلائل کی بنیاد پر سمجھنا چاہیے۔

پہلی رائے: تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں — جمہور کے دلائل

امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد سمیت جمہور ائمہ کی رائے یہ ہے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں تینوں واقع ہو جاتی ہیں اور عورت پر طلاقِ مغلظہ مرتب ہوتی ہے۔ اس رائے کی بنیاد یہ ہے کہ شوہر طلاق کا مالک ہے؛ جب وہ طلاق کے الفاظ اتنی تعداد میں کہتا ہے تو ہر طلاق اپنے محل پر واقع ہوتی ہے، کیونکہ الفاظ کا تقاضا یہی ہے اور شرع

نے وقوعِ طلاق کو لفظ کے ساتھ جوڑا ہے۔ گناہ اس عمل کے طریقے میں ہے، مگر گناہ ہونا اثر کو نہیں روکتا، جیسے حیض کی حالت میں دی گئی طلاق بھی بدعی ہونے کے باوجود واقع ہو جاتی ہے۔

اس رائے کے دوسرے بڑے دلائل آثارِ صحابہ ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں دیکھا کہ لوگوں نے طلاق میں جلد بازی اور کثرت شروع کر دی ہے تو انہوں نے ایک مجلس کی تین طلاق کو تین ہی نافذ کرنے کا حکم جاری کیا، اور صحابہ کی موجودگی میں اس پر عملی اتفاق ہو گیا۔ حضرت ابن عباس خود اسی کے مطابق فتویٰ دیتے رہے ہیں جیسا کہ روایات میں آتا ہے، اور بڑے صحابہ و تابعین کی اکثریت کا عمل اسی پر رہا۔ جمہور کے نزدیک یہ اجتماعی عمل اس رائے کو قوت دیتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر ایک مجلس کی تین کو ایک شمار کیا جانے لگے تو لوگ طلاق کو کھیل بنا لیں گے اور عورت کے حقوق متاثر ہوں گے۔

دوسری رائے: ایک طلاقِ رجعی واقع ہوتی ہے — دلائل

دوسری طرف شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابن القیم اور اہلِ ظاہر سمیت بعض اہلِ علم کی رائے یہ ہے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں ایک طلاقِ رجعی شمار ہوتی ہیں۔ ان کی سب سے بڑی دلیل صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ روایت ہے جس میں فرمایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد، حضرت ابو بکر کے دور اور حضرت عمر کے دور کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاقیں ایک مانی جاتی تھیں، پھر حضرت عمر نے لوگوں کی جلد بازی کی وجہ سے انہیں تین نافذ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس روایت سے استدلال کیا جاتا ہے کہ اصل شرعی حکم ایک ہونے کا تھا اور بعد کا نفاذ ایک انتظامی و تادیبی پالیسی تھی، جو حالات کے بدلنے سے بدل سکتی ہے۔

اس گروہ کے دیگر دلائل میں قرآن مجید کی آیت «الطلاق مرتان» سے استدلال شامل ہے کہ طلاق کا قابلِ رجوع ہونا اسی وقت ممکن ہے جب طلاقیں الگ الگ مواقع پر دی جائیں، اور ایک مجلس کا تین بار تکرار دراصل ایک ہی ارادے کا اظہار ہے۔ یہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مجلس میں تین طلاق دینے والے کے معاملے میں غضب کا اظہار فرمایا اور اسے کتاب اللہ سے کھیل قرار دیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا فعل شرعاً معتبر انداز ہی نہیں، اور ایک واقعہ میں آپ نے اسے ایک

طرف لوٹانے کا حکم دیا۔ موجودہ دور میں کئی مسلم ممالک کے قوانین اور بعض علماء کونسلوں نے اسی دوسری رائے کو قانونی طور پر اختیار کیا ہے تاکہ خاندانوں کو یک دم ٹوٹنے سے بچایا جاسکے۔

اختلاف کا متوازن فہم اور عملی رہنمائی

ان دونوں آراء کو سمجھنے کی کلید یہ ہے کہ یہ اختلاف اجتہادی ہے، جس میں ہر فریق کے پاس قرآن، سنت یا آثار کی بنیاد موجود ہے۔ پہلی رائے نصوص کے ظاہری تقاضے اور صحابہ کے اجتماعی عمل پر کھڑی ہے، اور چاروں مشہور مذاہب کا عملی فتویٰ صدیوں سے اسی پر رہا ہے۔ دوسری رائے مخصوص روایت اور مصلحت کی بنیاد پر ایک نشست کی تکرار کو ایک قرار دیتی ہے۔ ایک طالب علم کے لیے مناسب رویہ یہ ہے کہ وہ دونوں دلائل کو احترام سے پڑھے، اپنے ملک و مسلک کے مستند مفتیان کے فتوے پر عمل کرے اور اس حساس مسئلے میں خود ساختہ فیصلے سے گریز کرے، کیونکہ اس پر ایک خاندان کی حلال و حرام کا دارومدار ہے۔

عملی رہنمائی کے طور پر سب سے اہم بات یہ ہے کہ صورتِ واقعہ پیدا ہی نہ ہونے دی جائے۔ شوہر پر لازم ہے کہ وہ غصے میں طلاق کا لفظ زبان پر نہ لائے، اور اختلاف کی صورت میں قرآنی تدریج یعنی ثالثی اور صلح کا راستہ اختیار کرے۔ اگر کبھی ایسی صورت پیش آجائے تو فریقین فوراً مستند دارالافتا سے رجوع کریں، واقعے کی پوری تفصیل، الفاظ اور نیت کی کیفیت صاف بیان کریں، کیونکہ طلاق کے وقوع کا فیصلہ الفاظ و حالات کی باریکیوں پر منحصر ہوتا ہے، اور میڈیا یا غیر مستند ذرائع سے مسئلہ سن کر از خود فیصلہ کر لینا شدید نقصان کا سبب بنتا ہے۔

پاکستان کا قانونی پسِ منظر

پاکستان میں طلاق کے طریقہ کار کے لیے مسلم عائلی قوانین آرڈیننس 1961 نافذ ہے جس کے تحت طلاق دینے والے شوہر پر لازم ہے کہ وہ یونین کونسل کے چیئرمین کو طلاق کا تحریری نوٹس بھیجے اور بیوی کو اس کی نقل فراہم کرے۔ یونین کونسل ثالثی کے ذریعے صلح کی کوشش کرتی ہے اور نوے دن گزرنے کے بعد طلاق کے موثر ہونے کا

سرٹیفکیٹ جاری کیا جاتا ہے۔ نوٹس نہ بھیجنے کو قانون نے قابلِ سزا قرار دیا ہے۔ یہ قانون طلاق کی تعداد کے شرعی اختلاف کو طے کرنے کے بجائے اس کے دستاویزی و طریقہ کار کے پہلو کو منضبط کرتا ہے، تاکہ بیوی کو عدت، مہر اور نفقے کے حقوق کا علم و ثبوت مل سکے۔

عدالتی عمل میں جب ایک مجلس کی تین طلاق کا تنازع پیش آتا ہے تو فریقین کے مسلک اور دارالافتا کی آراء کو اہمیت دی جاتی ہے، اور عموماً مستند مفتیان سے رائے طلب کی جاتی ہے۔ اس پس منظر سے طالب علم کو یہ سبق ملتا ہے کہ فقہی اختلاف، قانون اور عملی زندگی تینوں کو الگ الگ خانوں میں رکھ کر سمجھنا چاہیے: عقیدے و عمل کا فتویٰ اہلِ علم سے لیا جائے، قانونی کارروائی قانون کے مطابق مکمل کی جائے اور فیصلہ ہمیشہ پورے واقعے کی بنیاد پر ہو۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینا سنت کے خلاف اور بدعی عمل ہے، اس پر سب متفق ہیں؛ اختلاف اس میں ہے کہ ایسی تین طلاقوں کو تین شمار کیا جائے یا ایک۔ جمہور ائمہ اربعہ الفاظ کے تقاضے، حضرت عمر کے نفاذ اور صحابہ کے عمل کی بنیاد پر تین کہتے ہیں، جبکہ ابن تیمیہ و ابن القیم اور بعض دیگر اہلِ علم صحیح مسلم کی روایت کی بنیاد پر ایک رجعی طلاق کہتے ہیں۔ یہ اجتہادی اختلاف ہے؛ عملی زندگی میں اس مسئلے سے بچنا، اور پیش آ جانے پر مستند دارالافتا سے رجوع کرنا ہی دانشمندی ہے۔

سوال نمبر 4: عدت کے احکام، مدت اور حکمتیں — جامع مضمون (20 نمبر)

سوال نمبر 4: عدت کے احکام، مدت، اور حکمتوں پر جامع مضمون تحریر کریں۔

تعارف

عدت اسلامی خاندانی قانون کا وہ اہم ادارہ ہے جو نکاح کے خاتمے کے بعد عورت کے لیے ایک مقررہ مدت کا انتظار لازم کرتا ہے، جس میں وہ نیا نکاح نہیں کر سکتی۔ یہ مدت طلاق، خلع، فسخ یا شوہر کی وفات کی صورت میں مختلف ہوتی ہے۔ عدت کو بسا اوقات محض ایک پابندی سمجھ لیا جاتا ہے، حالانکہ اس کے اندر نسلوں کی حفاظت، رجوع کی

گنجائش، عورت کے تحفظ اور غم کی نفسیاتی کیفیت کی رعایت جیسے متعدد مقاصد پوشیدہ ہیں۔ قرآن مجید نے اس کے احکام سورۃ البقرہ، سورۃ الطلاق اور سورۃ الاحزاب میں بڑی وضاحت سے بیان کیے ہیں۔

اس مضمون میں پہلے عدت کی تعریف و اقسام، پھر ہر قسم کی مدت اور اس کے احکام، اور آخر میں عدت کی حکمتوں پر جامع بحث پیش کی جائے گی، تاکہ یہ واضح ہو کہ عدت محض وقفہ نہیں بلکہ حقوق و مصالح کا ایک متوازن نظام ہے۔

عدت کی تعریف اور اس کی اقسام

عدت کے لغوی معنی گننے اور شمار کرنے کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں عدت اس مدت کو کہا جاتا ہے جو نکاح کے خاتمے کے بعد عورت شرعاً گزارنے کی پابند ہوتی ہے اور جس کے گزرنے کے بعد ہی اس کا دوسرا نکاح جائز ہوتا ہے۔ عدت کی بنیادی قسمیں سبب کے اعتبار سے یہ ہیں: عدتِ طلاق، جو شوہر کی دی گئی طلاق کے بعد لازم آتی ہے؛ عدتِ وفات، جو شوہر کی وفات پر بیوہ گزارتی ہے؛ اور عدتِ فسخ یا خلع، جو عدالت کی تفریق یا خلع کے بعد لازم ہوتی ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی مدت و احکام کا اپنا نظام ہے۔

یہ بات بنیادی طور پر سمجھنی چاہیے کہ عدت اس عورت پر لازم آتی ہے جس سے خلوتِ صحیحہ ہو چکی ہو یا نکاح صحیح تھا؛ اگر طلاق نکاح کے بعد اور خلوت سے پہلے ہو جائے تو قرآن مجید کی صراحت کے مطابق اس پر کوئی عدت نہیں اور وہ فوراً دوسرا نکاح کر سکتی ہے، البتہ شوہر کی وفات کی صورت میں خلوت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو عدتِ وفات ہر حال میں لازم ہے، کیونکہ اس کا تعلق رشتے کے احترام اور سوگ سے بھی ہے۔ فقہا نے اسی اصول کو بنیاد بنا کر عدت کے مسائل کی تفصیلات مرتب کی ہیں۔

مدتِ عدت کی تفصیل

عدت کی مدتیں قرآن مجید نے خود مقرر کر دی ہیں۔ طلاق یافتہ اور صاحبِ حیض عورت کی عدت تین قروء ہے، یعنی تین حیض یا تین طہر، جس میں فقہی اختلاف کی تفصیل مشہور ہے؛ سورۃ البقرہ میں فرمایا گیا کہ مطلقہ عورتیں تین قروء تک انتظار کریں۔ جس عورت کو حیض نہ آتا ہو، خواہ کم عمری کی وجہ سے یا سنِ ایاس کو پہنچنے کی وجہ سے، اس کی عدت تین مہینے ہے، جیسا کہ سورۃ الطلاق میں صراحت ہے۔ حاملہ عورت کی عدت وضعِ حمل ہے، خواہ یہ مدت بہت کم ہو یا طویل؛ بچہ پیدا ہوتے ہی عدت ختم ہو جاتی ہے۔ بیوہ

کی عدت چار مہینے دس دن ہے، جیسا کہ سورۃ البقرہ میں فرمان ہے، لیکن اگر بیوہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضعِ حمل ہو گی خواہ چار ماہ دس دن سے پہلے ہو یا بعد میں، کیونکہ حمل والی عدت کا حکم خاص ہے۔

جدول: عدت کی اقسام اور مدتیں

صورت	عدت کی مدت	بنیاد
طلاق یافتہ (صاحبِ حیض)	تین قروء (تین حیض / طہر)	سورۃ البقرہ: 228
طلاق یافتہ (حیض نہ آتا ہو)	تین مہینے	سورۃ الطلاق: 4
حاملہ عورت	وضعِ حمل تک	سورۃ الطلاق: 4
بیوہ (غیر حاملہ)	چار مہینے دس دن	سورۃ البقرہ: 234
بیوہ (حاملہ)	وضعِ حمل تک	سورۃ الطلاق: 4
خلوت سے پہلے طلاق	کوئی عدت نہیں	سورۃ الاحزاب: 49

عدت کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے جب طلاق واقع ہو یا شوہر کا انتقال ہو، اس دن سے نہیں جب عورت کو خبر ملی ہو۔ اگر کسی عورت کو مدت گزرنے کے بعد طلاق یا وفات کی خبر پہنچے تو اس کی عدت گزر چکی ہو سکتی ہے۔ اسی طرح اگر عدت کے دوران دوسری طلاق واقع ہو جائے یا حالات بدلیں تو فقہا نے ہر صورت کے الگ احکام بیان کیے ہیں۔ ان تفصیلات کا مقصد یہ ہے کہ مقررہ مدت مکمل یقین کے ساتھ پوری ہو۔

عدت کے احکام

عدت کے دوران چند خاص احکام لاگو ہوتے ہیں۔ سب سے پہلا حکم یہ ہے کہ عورت اس مدت میں کسی اور سے نکاح نہیں کر سکتی، اور نکاح کی صریح پیش کش بھی اس سے کرنا منع ہے، البتہ وفات کی عدت میں اشارے کنائے سے بات کہنے کی گنجائش قرآن نے دی ہے۔ دوسرا حکم رہائش کا ہے: مطلقہ اپنی عدت اسی گھر میں گزارے گی جہاں وہ رہتی

تھی، سورۃ الطلاق میں حکم ہے کہ انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، الا یہ کہ کوئی کھلی بے حیائی کریں۔ تیسرا حکم نفقے کا ہے: طلاقِ رجعی والی عورت کا نفقہ و رہائش شوہر پر ہے اور حمل والی مطلقہ کا بھی نفقہ لازم ہے؛ بائن طلاق والی غیر حاملہ کے نفقے میں فقہی تفصیل موجود ہے۔

بیوہ کی عدت میں سوگ کے احکام بھی شامل ہیں: وہ زیب و زینت، خوشبو اور دیدہ زیب لباس سے اجتناب کرے گی، کیونکہ یہ مدت شوہر کی وفات کے احترام کا اظہار ہے۔ اس کے برعکس طلاق کی عدت میں سوگ شرعاً لازم نہیں۔ عدت کے دوران اگر شوہر نے رجعی طلاق دی ہو تو اسے رجوع کا حق حاصل رہتا ہے، اور رجوع کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ گواہوں کے سامنے ہو۔ عدت گزرتے ہی عورت آزاد ہو جاتی ہے: پہلے شوہر کے لیے بھی وہ اجنبی بن جاتی ہے اور نیا نکاح نئے مہر کے ساتھ ہی ہو سکتا ہے۔

عدت کی حکمتیں

عدت کی پہلی اور نمایاں حکمت برائتِ رحم ہے، یعنی یہ یقینی بنانا کہ عورت کے ہاں پہلے شوہر کا حمل نہیں، تاکہ نئے نکاح کے بعد بچے کے نسب میں کوئی اختلاط نہ ہو۔ اسلامی قانون نسب کو غیر معمولی اہمیت دیتا ہے، اور عدت اسی حفاظت کی سب سے مؤثر عملی تدبیر ہے، جو جدید طبی ٹیسٹوں سے کہیں پہلے معاشرے کو یہ تحفظ دیتی رہی ہے۔ دوسری حکمت رجوع کا موقع ہے: طلاقِ رجعی کی عدت میں میاں بیوی کو سوچنے، جذبات ٹھنڈے ہونے اور صلح کی کوشش کا وقت ملتا ہے، اور قرآنی ہدایت کے مطابق اس مدت میں رجوع کرنا ہی احسن رویہ ہے۔

تیسری حکمت عورت کے نفسیاتی و سماجی تحفظ ہے: طلاق یا وفات کے صدمے کے بعد اسے سنبھلنے کا وقت ملتا ہے اور وہ فوری فیصلے کے دباؤ سے بچتی ہے۔ چوتھی حکمت بیوہ کے سوگ اور مرحوم شوہر کے احترام کا اظہار ہے، جو خاندانی اقدار کو قائم رکھتا ہے۔ پانچویں حکمت یہ ہے کہ عدت کے دوران عورت کی رہائش و نفقے کے احکام اسے اس عبوری دور میں بے گھر و بے سہارا ہونے سے بچاتے ہیں۔ ان تمام حکمتوں کو دیکھ کر واضح ہوتا ہے کہ عدت عورت پر بوجھ نہیں بلکہ اس کے حق و تقدس کا ایک نظام ہے، جس کی درست تفہیم معاشرے میں خواتین کے تحفظ کا ذریعہ بنتی ہے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ عدت نکاح کے خاتمے کے بعد عورت کے لیے مقررہ انتظار کی مدت ہے جس کی صورتیں طلاق میں تین قروء یا تین مہینے، حمل میں وضعِ حمل، اور وفات میں چار مہینے دس دن ہیں، جبکہ خلوت سے پہلے کی طلاق میں کوئی عدت نہیں۔ اس دوران نکاح کی ممانعت، رہائش، نفقہ اور رجوع کے احکام لاگو ہوتے ہیں۔ اس کی بنیادی حکمتیں نسب کی حفاظت، صلح کا موقع، عورت کا تحفظ اور سوگ کا احترام ہیں۔ یہ جامع نظام ظاہر کرتا ہے کہ اسلامی قانون خاندانی زندگی کے اختتام کو بھی نظم و حکمت کے ساتھ انجام دیتا ہے۔

سوال نمبر 5: طلاق، خلع اور فسخِ نکاح کا تقابلی مطالعہ (20 نمبر)

سوال نمبر5: طلاق، خلع اور فسخِ نکاح کا تقابلی مطالعہ کریں اور ان کے شرعی اسباب و نتائج بیان کریں۔

تعارف

نکاح ایک دائمی رشتہ قائم کرنے کے لیے ہوتا ہے، لیکن بعض اوقات حالات اس نہج پر پہنچ جاتے ہیں کہ رشتہ برقرار رکھنا دونوں یا کسی ایک فریق کے لیے ناقابلِ برداشت ضرر کا باعث بن جاتا ہے۔ ایسی صورت میں شریعت نے رشتہ ختم کرنے کے تین بڑے راستے مشروع کیے ہیں: طلاق، جو شوہر کا اختیار ہے؛ خلع، جو عورت کی درخواست پر مال کے عوض جدائی ہے؛ اور فسخ، جو قاضی یا عدالت کسی شرعی سبب کی بنیاد پر کرتی ہے۔ ان تینوں کے اسباب، طریقہ اور نتائج میں فرق ہے، اور ان کی پہچان خاندانی تنازعات کے درست حل کے لیے ناگزیر ہے۔

اس سوال میں پہلے تینوں کا مفہوم و اسباب الگ الگ بیان کیے جائیں گے، پھر شرعی و قانونی نتائج کا جائزہ لیا جائے گا، اور آخر میں ایک تقابلی جدول کے ذریعے فرق واضح کیا جائے گا۔

طلاق: مفہوم، اسباب اور شرعی حیثیت

طلاق کے لغوی معنی بندھن کھولنے کے ہیں اور شرعی اصطلاح میں اس سے مراد مخصوص الفاظ کے ذریعے نکاح کے بندھن کو ختم کرنا ہے۔ طلاق کا اختیار اصل میں شوہر کو دیا گیا ہے، اور اگر بیوی کو نکاح میں یہ اختیار تفویض کر دیا گیا ہو تو وہ بھی مقررہ حدود میں طلاق دے سکتی ہے، جسے طلاقِ تفویض کہتے ہیں۔ شریعت نے طلاق کو اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ترین حلال قرار دیا ہے، اس لیے اسے آخری چارہ کار کے طور پر رکھا گیا ہے۔ سنت طریقہ یہ ہے کہ جب زندگی گزارنا ناممکن ہو جائے تو طہر میں ایک طلاق دی جائے اور عدت کے دوران فیصلے پر نظرِ ثانی کی گنجائش باقی رکھی جائے۔

طلاق کے اسباب عموماً اخلاقی و مزاجی عدم مطابقت، باہمی اعتماد کا خاتمہ، ظلم و زیادتی، اور وہ حالات ہیں جن میں قرآن نے پہلے حکم یعنی خاندان کے ثالثوں کے ذریعے اصلاح کی ہدایت دی ہے۔ فقہی اعتبار سے طلاق کی دو قسمیں نتائج کے اعتبار سے اہم ہیں: طلاقِ رجعی، جس کے بعد عدت میں رجوع ہو سکتا ہے، اور طلاقِ بائن، جس کے بعد رجوع ممکن نہیں ہوتا اور ملنا ہو تو نیا نکاح ضروری ہوتا ہے، جبکہ تیسری طلاق پر عورت مغلظہ ہو جاتی ہے۔ طلاق کے واقع ہوتے ہی مہر (اگر ادا نہ ہوا ہو) فوراً واجب الادا ہو جاتا ہے اور عدت شروع ہو جاتی ہے۔

خلع: مفہوم، شرعی بنیاد اور اسباب

خلع کے لغوی معنی اتارنے اور الگ کرنے کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں خلع سے مراد یہ ہے کہ عورت کسی مال کے عوض شوہر سے جدائی حاصل کرے، عموماً مہر واپس کر کے یا اس سے دست بردار ہو کر۔ اس کی بنیاد سورۃ البقرہ کی آیت ہے جس میں فرمایا گیا کہ اگر تمھیں خوف ہو کہ میاں بیوی اللہ کی حدوں کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو عورت کے لیے اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ کچھ دے کر علیحدگی حاصل کرے۔ سنت میں اس کا عملی نمونہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی زوجہ کا واقعہ ہے، جن کی باہمی ناگواری کی بنیاد پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باغ واپس لے کر جدائی کا فیصلہ فرمایا۔

خلع کے اسباب وہ حالات ہیں جن میں خطا بنیادی طور پر کسی ایک کی نہ ہو مگر بیوی شوہر کے ساتھ رہنے کو انتہائی ناپسند کرے اور خدشہ ہو کہ شرعی حدود کی پابندی نہ ہو سکے گی۔

فقہی اعتبار سے خلع کا نتیجہ طلاقِ بائن ہوتا ہے، گنتی میں یہ ایک طلاق شمار ہوتی ہے اور اس کے بعد ملاپ صرف نئے نکاح سے ممکن ہوتا ہے۔ شوہر کے لیے جائز نہیں کہ وہ عورت کو تنگ کر کے اس سے مال وصول کرے بلکہ اس نے جو کچھ دیا تھا اس سے زائد کا مطالبہ کرے؛ عورت کی دی ہوئی چیز سے زیادہ لینا قرآن کی روح کے خلاف ہے۔ پاکستان میں خلع فیملی عدالت کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے، جہاں عورت کے عدم رہائش کی خواہش ثابت ہو جائے تو عدالت خلع کی ڈگری جاری کرتی ہے اور مہر کی واپسی کا فیصلہ حالات کے مطابق ہوتا ہے۔

فسخِ نکاح: مفہوم، اسباب اور عدالتی کردار

فسخ سے مراد یہ ہے کہ نکاح کسی شرعی عذر یا نقص کی بنیاد پر قاضی کی طرف سے ختم کر دیا جائے۔ یہ طلاق و خلع سے اس اعتبار سے مختلف ہے کہ یہ کسی فریق کے انفرادی اختیار سے نہیں بلکہ عدالت کے فیصلے سے واقع ہوتا ہے، اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب نکاح میں کوئی بنیادی عیب موجود ہو یا اس کا جاری رہنا کسی فریق کے لیے ناقابلِ برداشت ضرر بن جائے۔ فقہِ مالکیہ میں فسخ کا دائرہ خاصا وسیع ہے، جبکہ احناف کے ہاں اس کی صورتیں محدود ہیں، مگر عصرِ حاضر میں ملکی قوانین نے اس دائرے کو منظم کر دیا ہے۔

فسخ کے مشہور اسباب میں شوہر کا نامرد ہونا یعنی عنین ہونا، شوہر کا مفقود الخبر ہونا، نفقہ دینے سے عاجز یا انکاری ہونا، جنون یا ایسی بیماری جو زندگی خطرناک بنا دے، شوہر کی طرف سے شدید ظلم و مار پیٹ، اور نکاح کے وقت دھوکا یا جھوٹی بنیاد پر راضی کرنا شامل ہیں۔ پاکستان میں تحلیلِ نکاحِ مسلمہ ایکٹ 1939 نے عورت کو عدالت سے نکاح کی تنسیخ حاصل کرنے کے باقاعدہ اسباب فراہم کیے ہیں۔ فسخ کا نتیجہ عموماً طلاقِ بائن کی طرح ہوتا ہے، عدت بھی لازم آتی ہے، اور مہر کے احکام کا فیصلہ اس بات پر ہوتا ہے کہ عیب کس فریق کی طرف سے تھا اور خلوت ہوئی تھی یا نہیں۔

شرعی اسباب و نتائج کا تقابلی جائزہ

تینوں راستوں میں بنیادی فرق اختیار کا ہے: طلاق شوہر کے ارادے سے، خلع عورت کی درخواست و شوہر کی قبولیت (یا عدالت کے فیصلے) سے، اور فسخ عدالت کے حکم سے واقع ہوتا ہے۔ اسباب میں بھی فرق ہے: طلاق کے لیے کسی خاص سبب کا ثابت کرنا شرعاً لازم نہیں، اگرچہ اخلاقی طور پر اسے بلاوجہ دینا ناپسندیدہ ہے؛ خلع کے لیے عورت کی شدید ناگواری اور حدودِ شرع کی پابندی کا خدشہ بنیاد بنتا ہے؛ اور فسخ کے لیے اکثر ثابت شدہ شرعی سبب عدالت کے سامنے پیش کرنا لازمی ہوتا ہے۔

جدول: طلاق، خلع اور فسخ کا تقابلی جائزہ

پہلو	طلاق	خلع	فسخِ نکاح
اختیار کس کے پاس ہے	شوہر (یا مفوضہ بیوی)	عورت کی درخواست، شوہر/عدالت کی منظوری	قاضی / عدالت
بنیادی سبب	نباہ ناممکن، شوہر کا فیصلہ	عورت کی شدید ناگواری	عیب، ضرر یا شرعی عذر ثابت ہو
مالی پہلو	مہر شوہر پر واجب رہتا ہے	عورت عموماً مہر واپس / چھوڑتی ہے	حالات کے مطابق عدالت طے کرتی ہے
نتیجہ	رجعی یا بائن، تعداد میں شمار	ایک طلاقِ بائن شمار	عموماً بائن جدائی
رجوع	رجعی میں عدت میں ممکن	نیا نکاح درکار	نیا نکاح درکار
عدت	لازم آتی ہے	لازم آتی ہے (ایک حیض / طلاق جیسی)	لازم آتی ہے

نتائج میں ایک اور فرق یہ بھی ہے کہ طلاق شوہر کے مال یعنی مہر کو اس پر واجب کر کے عورت کو تحفظ دیتی ہے جبکہ بلا سبب خلع کی صورت میں عورت اپنا مہر قربان کرتی ہے، اس لیے خلع کو آخری سہارا سمجھنا چاہیے۔ فسخ میں چونکہ فیصلہ تحقیق کے بعد عدالت کرتی ہے، اس لیے اس میں جھوٹے دعوے کی گنجائش سب سے کم ہوتی ہے۔ یہ تینوں راستے مل کر وہ نظام بناتے ہیں جس میں نہ مرد کی خودسری بے لگام ہے اور نہ عورت بے بس؛ دونوں کو ظلم سے نجات کا باعزت دروازہ میسر ہے۔

معاصر قانونی نظام میں ان تینوں کی حیثیت

پاکستان کا عائلی نظامِ عدالت ان تینوں راستوں کو ضابطے میں لے آیا ہے۔ طلاق کے لیے یونین کونسل کو نوٹس اور سرٹیفکیٹ کا نظام موجود ہے؛ خلع اور فسخ کے لیے فیملی عدالتیں فریقین کو سن کر فیصلہ کرتی ہیں اور کوشش کی جاتی ہے کہ پہلے صلح کرائی جائے۔ عدالتوں کے تجربے سے ثابت ہوا ہے کہ مناسب قانونی رہنمائی حاصل ہو تو اکثر تنازعات عدالت سے باہر بھی حل ہو جاتے ہیں۔ طالب علم کو یہ سمجھنا چاہیے کہ شریعت اور قانون دونوں کا مزاج ایک ہے: نکاح کو قائم رکھنا اصل ہے اور جدائی صرف ناگزیر صورت میں، منظم اور باعزت طریقے سے ہونی چاہیے۔

اس کے ساتھ یہ تلقین بھی ضروری ہے کہ طلاق، خلع یا فسخ کا فیصلہ جذباتی اشتعال میں نہ کیا جائے۔ فریقین کے تنازعے کی صورت میں دونوں خاندانوں سے حکم مقرر کرنے کی ہدایت دی ہے، اور جدید دور میں مشاورت اور ثالثی کے ادارے اسی قرآنی حکم کی عملی شکل ہیں۔ جہاں صلح کی ہر کوشش ناکام ہو جائے وہیں تینوں میں سے مناسب راستہ اختیار کرنا دانشمندی ہے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ طلاق شوہر کا اختیار ہے جس کا نتیجہ رجعی یا بائن جدائی ہے اور مہر اس میں عورت کا محفوظ حق رہتا ہے؛ خلع عورت کی درخواست پر مال کے عوض ہونے والی بائن جدائی ہے جو شدتِ ناگواری کی صورت میں مشروع ہے؛ اور فسخ عدالت کا فیصلہ ہے جو ثابت شدہ شرعی عیب یا ضرر پر کیا جاتا ہے۔ یہ تینوں مل کر اسلامی خاندانی قانون کا مکمل نظامِ علیحدگی بناتے ہیں، جس میں ہر فریق کو ظلم سے نجات کا جائز راستہ اور ہر جدائی کو عدت و حقوق کے منظم ضابطے کے ساتھ جوڑا گیا ہے۔